آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۰۸ء نمبر ۵

فہرست مضامین

مذہبی تحریروں میں دل آزار کلمات کا استعمال ۱۶۱/۱۷۴

چار سوالوں کے جواب ۔ ۱۷۵-۱۸۲

ہمارے نکتہ چین ۔ ۱۸۳-۱۸۹

مذہب اسلام کے متعلق ایک دہریہ کے خیالات ۱۸۹/۱۹۰

اسلامی تعلیم کی خوبی ۔ ۱۹۰-۱۹۲

نوٹ ۔ ۱۹۲

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعودؑ ٹائٹل پیج صفحہ ۲

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ اپریل ۱۹۰۸ء کو مینیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عا/

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۸-اپریل ۱۹۰۸ء (۱) انا فتحنا لک فتحاً مبیناً - (۲) زلزلۃ الارض فحق العذاب وتندلی (۳) بشریٰ - ۲۲-اپریل ۱۹۰۸ء - (۱) میرے لیے ایک نشان آسمان پر ظاہر ہوا - (۲) خیر و خوبی کا نشان - (۳) میری مرادیں پوری ہوئیں - ۲۶-اپریل ۱۹۰۸ء - مباش ایمن از بازیٔ روزگار (غالباً مئی میں ہوگا) انی احافظ کل من فی الدار +

چشمۂ معرفت

طالبو! تم کو مبارک ہو کہ اب نزدیک ہیں۔ اس میرے محبوب کے چہرہ کو دکھلانے کے دن

کتاب مستطاب چشمۂ معرفت یعنی مضمون (الہامی کتاب) جلسہ آریہ لاہور مع ضمیمہ بجواب اعتراضات مضمون آریہ جو اوایل دسمبر ۱۹۰۷ء میں محلہ وچھووالی میں منعقد ہوا تھا اور جس میں مسلمانوں کو بذریعہ خطوط و اشتہار طلب کر کے آریہ قوم کے مہاتماؤں نے دلخراش گالیوں سے اپنے مہمانوں کے دلوں کو گھائل کیا تھا۔ بفضل قادر مطلق ۴۳۰ صفحہ کے حجم میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام (ان پر ہزاروں سلام و درود) کے قلم سے لکھی گئی ہے اور ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء تک انشاء اللہ تعالیٰ شایع ہو جاویگی۔ جن احباب کی درخواستیں پہلے سے موجود ہیں انکو بروقت طیاری بذریعہ وی پی فوراً روانہ کیجاویگی۔ لیکن صرف یہ قابل دریافت ہے کہ وہ بلا جلد چاہتے ہیں یا مجلد؟ **قیمت مجلد تین روپے ہے اور بلا جلد کی دو روپے آٹھ آنے۔**

مجلد کی روانگی میں کسی قدر توقف بھی واقع ہوگا۔ جدید درخواستیں بھیجنے والے اس امر کی تشریح ضرور کریں کہ مجلد روانہ ہو یا بلا جلد۔ سابقہ درخواستوں میں اگر کوئی صاحب اس کی تصریح فرماویں تو بہتر ورنہ بلا جلد بذریعہ وی پی روانہ کر دیجاویگی۔ والسلام۔

المشتہر: مہتمم کتب خانہ حضرت مسیح موعودؑ از قادیان ضلع گورداسپور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مذہبی تحریروں میں دل آزار کلمات کا استعمال

لنڈن میں حال میں ہی ایک دہریہ پر ایک فوجداری مقدمہ ہوا ہے جس میں ملزم پر یہ الزام تھا کہ اس نے عیسائی مذہب کے خلاف دل آزار اور ناشایستہ کلمات کا استعمال کیا ہے یہ کلمات کیا تھے میں آگے چلکر بتاؤں گا۔ اس مقدمہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جیوری نے اپنے فیصلہ میں اُسے مجرم اور قابل سزا قرار دیا۔ انگلستان میں چونکہ سرکاری مذہب عیسائیت ہے یا عیسائیت کا ایک خاص فرقہ اس لیے اس سرکاری مذہب یا فرقہ کی حفاظت کے لیے ایک قانون مروج چلا آتا ہے جس کے رو سے اس کے خلاف بولنے والا مستوجب سزا قرار دیا جاتا ہے۔ پہلے زمانہ میں شاہی مذہب کے خلاف کوئی عقیدہ رکھنا ایک ایسا خطرناک جرم سمجھا جاتا تھا جس کی سزا آگ میں جلانا اور اس قسم کی بیرحمی کی سزا ہوتی تھی۔ بلکہ ۱۸۶۷ عیسوی تک یہ قانون تھا کہ عیسائیت کی صداقت یا عیسائی مذہب کے پیش کردہ خدا کی ہستی کا انکار خواہ وہ کیسے ہی شائستہ الفاظ اور مناسب عبارت اور مہذب پیرایہ میں کیوں نہ ہو ایک بڑا سنگین جرم سمجھا جاتا تھا۔ مگر ۱۸۸۳ء میں آکر قانون کی صورت کسیقدر بدل گئی۔ اس سال میں مسٹر فُٹ پر جو ایک مشہور و معروف دہریہ لیڈر ہے اسی بنا پر ایک مقدمہ اُٹھایا گیا۔ اس مقدمہ میں لارڈ کالرج نے اس رائے کا اظہار کیا۔ کہ محض انکارِ صداقتِ مذہب قابل سزا نہیں جبتک کہ اس انکار کا پیرایہ ناشائستہ اور دل آزار نہ ہو چنانچہ اس کے یہ الفاظ تھے کہ "اگر بحث میں معقولیت اور

شایستگی کا لحاظ رکھا جائے تو ہر ایک شخص کو حق پہنچتا ہے کہ وہ عیسائی مذہب کے اصل اصول اور اہم عقاید پر حملہ کرے ایسی صورت میں وہ مجرم قرار نہیں دیا جاویگا"۔ اسوقت سے آجتک انگلستان کا یہی قانون سمجھا جاتا ہے چنانچہ اس تازہ مقدمہ میں بھی قانون مروجہ کے انہی معنوں کے روسے فیصلہ کیا گیا ہے۔ گویا اسوقت تک انگلستان میں یہ قانون مروج اور زندہ سمجھا گیا ہے کہ عیسائی مذہب کے خلاف ایسے دل آزار اور ناشایستہ کلمات کا استعمال جن سے اس مذہب کے معتقدین کو رنج پہنچے قابل سزا جرم ہے۔ یعنی کسی مذہب کے اصول یا عقاید پر محض نکتہ چینی قابل مواخذہ نہیں بلکہ اس نکتہ چینی کا طریق اگر برا ہو تو وہ قابل مواخذہ ہے۔

انگلستان کی عام اخباروں کی یہ رائے ہے کہ اس آزادی کے زمانہ میں ایسا قانون متروک قرار دیا جانا چاہیئے اور مذہبی رائے یا عقاید یا اصول پر حملہ کرنیکی وجہ سے خواہ وہ کسی پیرایہ میں ہو کسی شخص کو مجرم قرار نہیں دینا چاہیئے۔ اور اس میں شک نہیں کہ انگلستان میں جسقدر غلبہ دہریت نے حاصل کیا ہے وہ اس امر کا متقاضی ہے کہ ایسے قانون کو منسوخ کیا جاوے جس کے روسے مذہبی اختلاف کی وجہ سے کوئی شخص مجرم قرار پاسکتا ہے۔ مگر ہماری غرض اس قانون کے یہاں ذکر کرنیسے کچھ اور ہے ہم دیکھتے ہیں کہ انگلستان تعلیم اور آزادی میں ہندوستان سے بہت آگے بڑھا ہوا ہے لیکن مذہبی آزادی کے بارہ میں ہندوستان کا پلہ بھاری نظر آتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ کسی ایسے قانون کے نہ ہونیکی وجہ سے ہندوستان کی مذہبی تحریرات روز بروز شایستگی سے گری جارہی ہیں۔ اور ایک ایسا مذہبی لٹریچر ہندوستان میں پیدا ہورہا ہے جو اس ملک کی اخلاقی حالتوں کو حد درجہ سے گرا ہوا بناتا ہے۔ مگر ہم بالفعل اپنے اہل ملک کی خدمت میں ہی اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان طریقوں کو چھوڑ کر شایستگی اور تہذیب کا راہ اختیار کریں اور تحقیر سے ہنسی ٹھٹھے سے اور دل آزار کلمات سے دوسرے مذہبوں کے پیرووں کے دلوں کو نہ دکھائیں۔ ہندوستان میں چونکہ ہر ملت و مذہب کے لوگ موجود ہیں اس لیے ایسا قانون جیسا کہ انگلستان میں رائج ہے یہاں کام بھی نہیں دے سکتا کیونکہ

گورنمنٹ کی کوشش اس ملک میں کسی ایک خاص مذہب کی حمایت کیلئے نہیں ہوسکتی بلکہ ضرور تاً سب مذاہب کو یکساں آزادی گورنمنٹ نے دے رکھی ہے۔ اور اولاً یہ ہمارا فرض ہے کہ ایک دوسرے کے مقدس بزرگوں کا ذکر کرتے ہوئے ایسا پیرایہ اختیار نہ کریں جو دوسروں کی دل آزاری کا موجب ہو۔ مگر ہم افسوس سے دیکھتے ہیں کہ اس نیک راہ کی خلاف ورزی کو فخر سمجھا جاتا ہے۔

معمولی مذہبی مباحثات کی کتابیں تو ایک طرف رہیں ہندوستان میں تو اُن کتابوں کیحالت بھی ناگفتہ بہ ہے جو ایک قوم کی قوم کے لیے سرچشمہ ہدایت اور مقدس مذہبی کتابیں خیال کیجاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ستیارتھ پرکاش کو لو جو آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کی سب سے بڑی اور اعلیٰ پایہ کی تصنیف خیال کیجاتی ہے اس کتاب میں دیانند نے اپنے پیرووں کے لیے مذہبی اور تمدنی معاملات کی بابت زندگی کے قوانین اور قواعد لکھے ہیں اور اس کے پیرو ہندوؤں میں سے ترقی یافتہ فرقہ ہے اور اس میں ہزارہا آدمی داخل ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کتاب بھی ایسی عبارتوں سے پُر ہے جو دل آزاری اور بدزبانی میں اس درجہ سے بہت بڑھی ہوئی ہیں جس کو انگلستان جیسے ترقی یافتہ ملک میں انہی کلمات کی وجہ سے مجرم قرار دیا گیا ہے چند باب اس کتاب میں ایسے باندھے گئے ہیں جن میں دوسرے فرقوں یا دوسرے مذاہب پر نکتہ چینی کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ہم بائبل اور قرآن کریم پر جو نکتہ چینیاں کی گئی ہیں انکی بعض مثالیں پیش کرتے ہیں۔

کتاب پیدائش کی اُن آیتوں پر جن میں علم اور زندگی کے درخت کا ذکر کیا گیا ہے ان الفاظ میں نکتہ چینی کی گئی ہے "اگر ایسی باتوں سے انسان مکار اور دھوکا باز بنجاتا ہے تو خدا پر یہ الزام کیوں نہیں عاید ہوگا کیونکہ اگر کوئی دوسرے کے ساتھ داؤ کھیلے گا تو وہ مکار اور دھوکا باز کیوں نہ کہلائیگا اور جو ان تینوں کو لعنت دی وہ بلاقصور تھے پس خدا بے انصاف بھی ہوا اور یہ لعنت خدا پر ہونی چاہیئے تھی کیونکہ وہ جھوٹ بولا اور اُنکو بہکایا۔"

(صفحہ ۶۲۰) باب۱۲ - پھر اُس اجازت کا ذکر کرتے ہوئے جو پیدائش باب ۹ آیت ۳ میں درج ہے جس میں لکھا ہے کہ "سب جیتے چلتے جانور تمہارے کھانے کے واسطے ہیں میں نے ان سب کو نباتات کی مانند تمہیں دیا" ستیارتھ پرکاش کا مصنف یہ ریمارک کرتا ہے کہ "کیونکہ خدا کے نزدیک سب جاندار اس کے بیٹوں کی مانند ہیں چونکہ عیسائیوں کے خدا میں یہ صفت نہیں ہے بلکہ وہ قصاب کی طرح کام کرتا ہے اور سب انسانوں کو ایذا رسان بھی اسی نے بنایا ہے پھر بتلائیں کہ عیسائیوں کا خدا بے رحم ہونیکی وجہ سے گنہگار کیوں نہیں۔(دیکھو صفحہ ۶۲۴) - اور پھر زبانوں کی گڈ مڈ اور خلط ملط پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ "کیا کیا جاوے عیسائیوں کے حاسد خدا نے سب کی زبان خلط ملط کر کے سب کا ستیاناش کر دیا۔ اس نے بڑا غضب کیا کیا یہ شیطان کے کام سے بھی بُرا کام نہیں؟..... عیسائیوں کا خدا سنائی پہاڑ پر رہتا تھا اور آدمیوں کی ترقی بھی نہیں چاہتا تھا۔(دیکھو صفحہ ۶۲۵) - اور پھر آگے جا کر بیان کرتا ہے "اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا انسان یا پرندے کی مانند تھا کہ اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر آیا جایا کرتا تھا یا وہ کسی نٹ یا جادوگر کی مانند ہوگا۔(صفحہ ۶۲۶) - اور پھر صفحہ ۶۲۷ پر لکھتا ہے کہ "اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگلی آدمیوں کا ایک گروہ ہوگا ان میں سب سے بڑے آدمی کا نام انجیل میں خدا رکھ لیا ہوگا" خروج باب ۲۰ آیت ۱۶-۱۷ جس میں یہ حکم درج ہے کہ "تو اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی مت دے۔ تُو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر تُو اپنے پڑوسی کی جورو اور اس کے غلام اور اس کی لونڈی اور اسکے بیل اور اسکے گدھے اور کسی چیز کا جو تیرے پڑوسی کی ہے لالچ مت کر" اس پر یہ حاشیہ چڑھاتا ہے " واہ! تبھی تو عیسائی پڑوسیوں کے مال کی طرف اس طرح رجوع ہوتے ہیں جیسے پیاسے آدمی پانی کی طرف بھوکا اناج کی طرف۔ جیسی یہ خود غرضی اور طرفداری کی تعلیم ہے ویسا ہی عیسائیوں کا خدا ہوگا اگر کوئی کہے کہ ہم کل نوع انسان کو پڑوسی مانتے ہیں تو سوائے انسان کے اور کون جورو

اور غلام والے ہیں کہ جنہیں پڑوسی تصوّر نہ کریں پس ثابت ہوا کہ یہ باتیں خود غرض آدمیوں کی ہیں خدا کی نہیں" (دیکھو صفحہ ۶۲۳)

مصنف ستیارتھ پرکاش عیسائیوں کے خدا کی بابت گستاخانہ الفاظ استعمال کرنے سے ذرا بھی تامل نہیں کرتا مثلاً وہ اسے "ایک جنگلی چالاک" یا "ایک گوشت خور چالاک آدمی" قرار دیتا ہے اور اس کی ذات پاک کے متعلق بہت ہی گندے اور ناپاک صفات تجویز کرتا ہے۔ ایک مقام پر وہ کہتا ہے "عیسائیوں کا خدا اکھاڑہ کا پہلوان ہوگا تبھی تو سرہ اور راکھل پر مہربانی کی کہ انکے ہاں بیٹا ہوا ایسا خدا خدا ہو سکتا ہے"؟ (صفحہ ۶۳۴) اور پھر کہتا ہے کہ "ہم اس خیال میں تھے کہ صرف اسی ملک میں دیوی کے بھوپوں اور مندروں کے پوجاریوں کی عجیب پوپ لیلا ہے لیکن عیسائیوں کے خدا اور انکے پوجاریوں کی پوپ لیلا ہمارے ملک کی پوپ لیلا سے ہزار گنا بڑھ کر ثابت ہوئی" (دیکھو صفحہ ۶۴۱)

ایک آدمی جو اللہ تعالیٰ کی قدوس اور برتر ذات کیلیے ایسے گندے الفاظ استعمال کرتا ہے بھلا وہ انبیاء علیہم السلام کو بُرا کہنے سے کب رُک سکتا تھا۔ چنانچہ ستیارتھ پرکاش کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دیانند حضرات انبیاء علیہم السلام کی ذات گرامی کی نسبت فحش ترین الفاظ استعمال کرتا ہے وہ انبیاء علیہم السلام جنکی عظمت و عزت نصف دنیا سے زیادہ کی آبادی میں کیجاتی ہے اور انکا وقار اور پاس وہ قومیں کرتی ہیں جو گذشتہ تیرہ صدیوں میں تہذیب کی اشاعت کرنیوالے اور دنیا میں پھیلانیوالے تھے انکا ذکر ایسے حقارت والے ناپاک الفاظ میں کیا گیا ہے کہ جنکو سُنکر ایک خدا ترس کا دل کانپ اُٹھتا ہے۔ صفحہ ۶۲۲ میں بائبل کے مصنفوں کو "جنگلی" کہا گیا ہے۔ صفحہ ۶۲۵ پر ہم مندرجہ ذیل الفاظ پاتے ہیں۔ "دیکھئے ابراہیم عیسائیوں اور مسلمانوں کا بڑا پیغمبر سمجھا جاتا ہے کیا اس کی دروغگوئی وغیرہ اعمال بُرے ہیں یا بھلے؟ جن کے ایسے پیغمبر ہوں انکو

علم یا بہتری کا راستہ کیسے مل سکے؟" صفحہ ۶۳۵ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی نسبت یہ ناپاک الفاظ بولتا ہے۔ "اب دیکھیے بائبل کے اعلیٰ ہادیٔ مذہب اور پیغمبر موسیٰ کی خصلتیں غصہ وغیرہ بد صفات سے پر۔ انسان کی جان کشی کرنیوالا اور چور کی مانند شاہی سزا سے گریز کرنیوالا اور بھید چھپانے کی وجہ سے جھوٹ بولنے والا بھی ضرور ہوگا۔ ایسے شخص کو بھی خدا ملا پیغمبر بنا۔ اس نے یہودیوں کا مذہب جاری کیا جیسا موسیٰ آپ تھا ویسا اسکا مذہب تھا عیسائیوں کے سب ہادیان مذہب موسیٰ سے لیکر اخیر تک جنگلی حالت میں تھے اُن میں علم مطلق نہ تھا وغیرہ وغیرہ" عہد جدید اور یسوع پر ویسے ہی بدنیتی سے اعتراض کیے گئے ہیں۔ متی باب ۲۶ میں جہاں کہ یہودا اسکریوطی کو شیطان نے اپنے آقا کو چھوڑنے کے لیے گمراہ کیا تھا اسپر دیانند مندرجہ ذیل حاشیہ چڑھاتا ہے۔ "یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ عیسائیوں سے پوچھنا چاہیئے کہ اگر شیطان سب کو بہکاتا ہے تو شیطان کو کون بہکاتا ہے اگر کہو کہ شیطان خود بخود بہکایا جاتا ہے تو پھر انسان بھی خود بخود بہکایا جاسکتا ہے۔ پھر شیطان کا کیا کام؟ اور اگر شیطان کا پیدا کرنیوالا اور بہکانیوالا خدا ہے تو وہی شیطان کا شیطان عیسائیوں کا خدا ٹھہرا اور خدا ہی نے سب کو اس کے ذریعہ بہکایا ہے۔ بھلا یہ کام خدا کا ہوسکتا ہے۔ عیسائیوں کی کتاب کے مصنف اور عیسیٰ خدا کا بیٹا شیطان ہوں تو ہوں خدا شیطان نہیں اور نہ یہ کتاب خدا کا کلام" (دیکھو صفحہ ۶۶۳)

خود حضرت مسیح کو بھی جاہل اور وحشی کے ناموں سے پکارا گیا ہے۔ اور انکی نبوت کو ایک منصوبہ اور افترا قرار دیا گیا ہے جس کی غرض لوگوں کو اپنے دام میں پھنسانا بتائی گئی ہے۔ صفحہ ۶۵۱ پر لکھتا ہے۔ "یسوع اس لیے دنیا میں آیا تھا کہ وہ انسان کو انسان سے جدا کرے اور جس نفاق اور لڑائی فساد کی بنیاد عیسیٰ نے ڈالی وہی آجتک لوگوں میں قایم ہے یہ کیسی بُری بات ہے نفاق سے ہر طرح آدمی کو تکلیف ہوتی ہے پر عیسائیوں نے

اس سے گرو منتر سمجھ لیا ہے کیونکہ جب دو شخصوں میں نفاق ڈالنا خود عیسیٰ اچھا سمجھتا تھا تو عیسیٰ کے پیرو اسے کیوں نہ اچھا سمجھیں؟ گھر کے لوگوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنایا عیسیٰ ہی کا کام ہے کسی نیک آدمی کا نہیں" (دیکھو صفحہ ۶۵۱)۔ عشائے ربانی پر (متی باب ۲۶ آیت ۲۴-۲۶) قلم فرسائی کرتے ہوئے دیانند کہتا ہے کہ "بہت خوب! کیا کوئی شائستہ آدمی ایسی بات کہہ سکتا ہے" (دیکھو صفحہ ۶۵۷)۔ حضرت مسیح کے الفاظ پر حاشیہ چڑھاتے ہوئے جہاں وہ کہتے ہیں کہ "آسمان اور زمین ٹل جائیں گے پر میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی" سوامی دیانند لکھتا ہے "یہ بات بھی (یسوع کی) جہالت اور حماقت پر دلالت کرتی ہے" (صفحہ ۶۵۶)۔ ایسا ہی اور بہت سے تحقیر آمیز کلمات اور عبارتیں اس کتاب میں پائی جاتی ہیں مگر ہماری غرض کے لیے مندرجہ ذیل حوالے کافی ہونگے۔ "چونکہ عیسیٰ بڑھئی کے گھر پیدا ہوا تھا ہمیشہ لکڑی چیرنے چھیلنے کاٹنے اور جوڑنے کا کام کرتا رہا ہوگا اسے اس جنگلی ملک میں پیغمبر بننے کا شوق چڑھ آیا تو وہ عجیب قسم کی باتیں کرنے لگا کئی ایک باتیں اس کے منہ سے اچھی بھی نکلیں لیکن بہت سی بری بھی ہیں وہاں کے جنگلی لوگ تھے اس کی باتوں پر یقین کر بیٹھے" (صفحہ ۶۵۶)۔ "سب عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ مسیح بڑا حلیم الطبع۔ بردبار۔ متحمل اور غصہ وغیرہ نقصوں سے پاک تھا لیکن ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غصہ ور تھا اور اسے موسموں کا علم نہ تھا اور اس کی جنگلی آدمیوں کی سی خصلت تھی" (صفحہ ۶۵۵)۔ "اگر اسے (یسوع مسیح) ذرا سی بھی تمیز ہوتی تو وہ ایسی لچر پوچ باتیں کیوں کہتا۔ سچ ہے جہاں درخت نہیں۔ وہاں ارنڈی کا درخت ہی بڑا سمجھا جاتا ہے ایسے ہی جنگلی اور جاہلوں کے ملک میں عیسیٰ کا ہونا بھی غنیمت تھا لیکن اس روشنی کے زمانہ میں عیسیٰ کس گنتی میں ہے" (صفحہ ۶۵۳)۔ "عیسیٰ کی باتیں علم اور قانون قدرت کے بالکل خلاف تھیں اور وہ یہ چاہتا تھا کہ لوگ اس کی باتوں کو بچوں کی طرح اندھا دھند مان لیں واقعی علی العموم اگر عیسائیوں کی عقل چھوٹے لڑکوں کی سی نہ ہوتی تو وہ ایسی بعید از قیاس اور خلاف از علم

باتیں کیوں مانتے۔ مزید براں یہ بھی ثابت ہوا کہ عیسیٰ خود بے علم اور لڑکوں کی سی عقل والا تھا ورنہ اوروں کو چھوٹے لڑکوں کی مانند بننے کی تعلیم کیوں دیتا ظاہر ہے کہ جو جیسا ہوتا ہے وہ اوروں کو بھی ویسا ہی بنانا چاہتا ہے'' (دیکھو صفحہ ۶۵۳)۔ ''دیکھئے عیسیٰ جنگلی آدمیوں کو یقین دلانے کے لیے بہشت کا چیف جسٹس (منصف اعلیٰ) بننا چاہتا تھا۔ صرف بھولے لوگوں کو سبز باغ دکھلایا ہے'' (دیکھو صفحہ ۶۴۹)۔ ''یہ بھی ثابت ہوگیا کہ عیسیٰ نے اپنے مذہب کا جال اس لیے پھیلایا ہے کہ لوگوں کو اس میں اس طرح پھنسائے کہ جس طرح مچھلی کو ماہی گیر جال میں پھنساتا ہے جب خود عیسیٰ ایسا تھا تو آجکل کے پادری اگر اپنے جال میں آدمیوں کو پھنساویں تو کیا تعجب ہے''؟ (صفحہ ۶۴۶ و ۶۴۷)

ایسا ہی ستیارتھ پرکاش میں حضرت مسیح کی پیدائش کے متعلق فحش اشارے کیئے گئے ہیں اور دل آزار الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ جو دل آزاری اور ناشائستگی میں اس دہریہ کے کلام سے بھی بدتر ہیں جسے مجرم قرار دیا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل آیت پر کہ ''جب اسکی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو انکے اکٹھے ہونیسے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی'' سوامی دیانند نے یوں حاشیہ چڑھایا ہے۔ ''ان باتوں کا ماننا بیوقوف جنگلیوں کا کام ہے۔ شائستہ علماء کا نہیں بھلا جو خدا کا مقررہ قانون ہے وہ کیونکر ٹوٹ سکتا ہے اگر خدا خود اپنے قوانین تبدیل کرے تو اسکا حکم کوئی نہ مانے۔ پھر وہ ہمہ دان اور غلطی سے مبرا ہے۔ اس طرح تو پھر جس باکرہ کو حمل ٹھہر جائے اس کے بارہ میں بھی ایسا ہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ حمل خدا کی طرف سے ہے اور جھوٹ موٹ کسی کو کوئی کہدے کہ خدا کے فرشتے نے مجھے خواب میں کہدیا ہے کہ یہ حمل خدا کی طرف سے ہے جیسی یہ ناممکن بات گھڑی گئی ہے ویسا ہی سورج سے کنتی کا حاملہ ہونا بھی پرانوں میں درج ہے۔ ایسی ایسی باتوں کو آنکھ کے اندھے گانٹھ کے پورے تسلیم کرکے مغالطہ میں پڑا کرتے ہیں اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی آدمی کے ساتھ صحبت ہونیسے مریم حاملہ ہوگئی ہوگی اس نے یا کسی اور

آدمی نے یہ مشہور کر دیا ہو گا کہ اس کا حمل خدا کی طرف سے ہے'' (دیکھو صفحہ ۶۴۵ و ۶۴۶)

اس کے بعد آریہ سماج کے بانی نے اپنی دشنام دہی اور گندہ دہانی کی باگ قرآن شریف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کی طرف موڑ دی ہے اس موقع پر مصنف کی کینہ وری نے اپنے تئیں ایک سخت اور غلیظ ترین شکل میں ظاہر کیا ہے اور اس نے نہایت بیباکی سے اللہ جلشانہٗ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بہت بُری گالیاں دی ہیں اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ مندرجہ ذیل الفاظ بکثرت استعمال کرتا ہے۔ ''بڑا شیطان'' اور ایک ''ثابت شدہ شیطان'' (صفحہ ۷۰۶) ''گویا شیطان کا شیطان خدا ہے'' (صفحہ ۷۱۲)۔ خدا کو ''شیطان'' کہا گیا ہے (صفحہ ۷۲۳) ''کیا خدا بھی ڈاکو ہے کہ لوٹ کے مال کا حصہ دار بنے گا'' صفحہ ۷۰۰ پر بانی آریہ سماج لکھتا ہے۔ ''واہ واہ دیکھو مسلمانوں کا خدا گویا بھان متی کا تماشہ کر رہا ہے کیا ایسی ہی باتوں سے خدا کی خدائی ظاہر ہوتی ہے'' ''کیا یہ شیطان سے بھی بڑھکر شیطنت کا کام نہیں ہے'' (صفحہ ۶۸۳) ''خدا خود ہی عظیم بُت پرستی کا بانی مبانی ہوا ....پس مسلمان اور انکا خدا بڑے بُت پرست ہیں'' (صفحہ ۷۳۲)

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کی ذات مبارک کے متعلق گندے سے گندے الفاظ اور کلمات کا انبار کا انبار جمع کر دیا گیا ہے اور آپ کو سب بنی نوع آدم سے بُرا ظاہر کیا گیا ہے۔ ۷۰۷ صفحہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''مکار، دغاباز، ملحد اور فریبی اور شریر آدمی'' بتلایا گیا ہے۔ صفحہ ۷۴۳ میں لکھا ہے ''محمد صاحب اگر شہوت پرست نہ ہوتے تو منہ بولے بیٹے کی جورو کو اپنی بیوی کیوں بنا لیتے'' اور صفحہ ۷۴۴ میں آپ کو ''حیوان کی مانند'' کہا گیا ہے۔ اور صفحہ ۷۵۰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کو مندرجہ ذیل الفاظ کا مصداق ٹھہرایا ہے

قاتله الله انی یوفك سے زانی آدمیوں کو نہ حیا ہوتی ہے اور نہ خوف۔ اور

(نقل کفر کفر نباشد)

اس کے آگے بیان کرتا ہے "ان باتوں پر غور کرنے سے کیا یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ قرآن کلام اللہ تو کجا بلکہ کسی عالم نیکوکار کی بھی تصنیف نہیں" (صفحہ ۷۵۷)

ہم یہ نہیں کہتے کہ ایسی دل آزار ناپاک اور ناشایستہ تحریروں پر مقدمہ چلانا چاہیئے مگر یہ بات تعجب میں ڈالتی ہے کہ بعینہٖ وہی عبارتیں جو ہندوستان جیسے جاہل ملک میں مقدس کتابوں کی آراستگی اور زیور خیال کیجاتی ہیں انگلستان جیسے آزاد اور ترقی یافتہ ملک میں قابل سزا سمجھی جاتی ہیں وہ عبارتیں جن کی رو سے دہریہ بولٹر کو لنڈن میں مجرم قرار دیا گیا ہے ان الفاظ سے زیادہ سخت اور گندی نہیں جو کہ ہم نے ستیارتھ پرکاش سے نقل کی ہیں۔ بولٹر بائبل کے خدا کو "ایک بے حیا پرانا جنگلی آدمی" کر کے پکارتا ہے اور پنڈت دیانند اسکے متعلق "جنگلی چالاک" "قصاب" "دونٹ" "شیطان سے بڑھکر شیطان" اور ایسے ناپاک الفاظ استعمال کرتا ہے۔ بولٹر نے بائبل کو "ایک گندی کتاب" کہا تھا اور دیانند عہد عتیق کے مصنفوں کو "جنگلی" کہتا ہے اور عہد جدید کے لکھنے والوں کو "شیاطین" قرار دیتا ہے بولٹر کے سخت ترین الفاظ کنواری کے جننے کے متعلق دیانند کے استعمال کردہ الفاظ سے سخت نہیں ہیں بمطابق محولہ عبارت کے جو فرد جرم میں نقل کی گئی ہے اس کے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔ "کوئی آدمی یقین نہیں کرسکتا کہ کبھی کنواری نے بھی لڑکا جنا ہے، تم کیا خیال کروگے جب ایسا واقعہ تمھارے گھر میں ہو جاوے۔ تم مسٹر بلوڈن کے پاس نسبت کا مقدمہ روح القدس کے برخلاف کر نیکو جاتے ہو"۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان میں جہاں کہ مذہبی خیالات انگلستان کی نسبت پبلک کے دلوں پر بہت بڑی حکومت رکھتے ہیں مذہب کو اور مذہبی پیشواؤں کو برا کہنا قانونی طور سے جایز قرار دیا گیا ہے اور اس حدتک اس برا کہنے کی آزادی دیگئی ہے کہ انگلستان میں اسکا نام و نشان بھی نہیں۔ اگر ایسی ملحدانہ ناپاک اور ناشایستہ تحریریں جیسی کہ اوپر بیان

کی گئی ہیں حقیقۃً مضر ہیں تو وہ بہ نسبت انگلستان کے ہندوستان میں زیادہ مضر ہونگی اس میں شک نہیں کہ جب تک کہ مذہبی رائے ظاہر کرنیکی آزادی دنیا کو حاصل ہے تو ہر مذہب کے وکلا کو صرف یہی حق حاصل نہیں ہے کہ اپنے مذہب کی تعریف و مدح کریں اور اسکی خوبیوں اور عمدہ اصول کو کھول کھولکر بیان کریں اور دوسرے لوگوں کو یہ ترغیب دیں کہ انکے مذہب کو دوسرے مذاہب چھوڑکر قبول کرلیں بلکہ انکو یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مذہب کو باقی پر فوقیت دیں اور اسکو افضل قرار دیں اور دوسرے مذہبوں کی نکتہ چینی کریں اور ان عیوب اور مضار کو لوگوں کے سامنے ظاہر کریں جو دوسرے مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ کہانتک انکو حق حاصل ہے کہ وہ دوسرے کی نکتہ چینی اور عیب گیری کرتے وقت مقدس لوگوں کو گالیاں نکالنا اور سیدھے الفاظ کو توڑ مروڑ کر انسے خلاف منشائے متکلم مطلب نکالنا اور دل آزار کلمات کا استعمال کرنا جایز ہے۔ یہ ایک علیحدہ سوال ہے جس کے جواب دینے کے لیے میں اس مضمون میں طیار نہیں ہوں۔ لیکن یہ صاف بات ہے کہ آزادی اور بے اعتدالی کے درمیان کوئی بین حد ہونی چاہیئے ہندوستان جیسے ملک کیحالت جہاں سب مذاہب موجود ہیں اس قسم کی نہیں ہے کہ کسی خاص مذہب کی رعایت کیجاوے بلکہ یہاں کی حالت کا یہی اقتضا ہے کہ تمام مذاہب کو یکساں آزادی دیجاوے۔ اور عام طور پر ہر ایک مذہب کے مقدس بزرگوں کے خلاف دل آزار اور ناشائستہ تحریروں سے روکا جائے۔ اگر اور کسی وجہ سے نہیں تو کم از کم اسی غرض کے لیے کہ ملک میں صلح اور آشتی پھیلے اور باہمی کینے اور عداوتیں کم ہوں۔ مباحثات میں بعض وقت سخت کلامی اور درشتی بھی ہو جاتی ہے کیونکہ جوش کا موقع ہوتا ہے مگر افسوس ہے کہ عام مذہبی تحریروں میں اس اندازہ سے گذر کر سخت کلامی اور دل آزاری میں بے اعتدالی کا پہلو اختیار کیا جاتا ہے۔

مثلاً ہم اس تنقید اور نکتہ چینی کو لیتے ہیں جو مذہب اسلام اور مذہب عیسائی پر

ستیارتھ پرکاش میں کی گئی ہے۔ جسکی حقارت آمیز روش ہم نے چند حوالوں سے ظاہر کی ہے جو اوپر بیان کیے گئے ہیں۔ اب یہ کتاب کوئی مباحثہ کی کتاب نہیں ہے اور وہ باب جنمیں عیسائی مذہب اور اسلام کا ذکر ہے انکے تمہیدی ریمارکس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ تنقید ہر دو مذاہب کے متعلق نیک نیتی اور انصاف پر مبنی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ان بابوں کے مضامین کو پڑھکر تمہید محض دکھانے کے دانت معلوم ہوتے ہیں۔ اس نکتہ چینی کے ایک ایک لفظ سے کینہ۔ بغض اور شرارت ٹپکتی ہے جس کی غرض سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ غیر مذہب والوں کے دلوں کو دکھایا جاوے کیونکہ پنڈت صاحب اس بات سے ناواقف تو تھے نہیں کہ جن مقدس ناموں کا ذکر وہ اسقدر حقارت آمیز اور ناشائستہ الفاظ میں کر رہے ہیں انکی عزت اور محبت کروڑہا انسانی دلوں میں تمام عزتوں اور محبتوں سے بڑھکر ہے پھر کوئی شائستہ پیرایہ اختیار نہ کرنیکا منشا سوائے دل آزاری کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ مصنف ستیارتھ پرکاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امّی) کو بمع آپکے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ڈاکوؤں اور ٹھگوں کا ایک گروہ قرار دیتا ہے اب میں پوچھتا ہوں کہ آیا کوئی عقلمند انسان تمام تاریخ اسلام کو پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے؟ تھوڑا سا غور کرنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ٹھنڈے دل سے رائے زنی یا نکتہ چینی نہیں کی گئی ہے بلکہ ایک کینہ اور حقارت سے بھرے ہوئے دل کا یہ ابال ہے۔ کیا کوئی آدمی ڈاکوؤں اور ٹھگوں کا کوئی ایسا گروہ بتا سکتا ہے جس نے دنیا میں ایسی معجزہ نما تبدیلی پیدا کی ہو اور جس نے تہذیب اور علم کی مشعل کو روشن کیا ہو اور جس نے تمام قوموں کو پستی اور وحشت کے گڑھوں سے نکالکر تہذیب اور شائستگی کے بلند اور اونچے مناروں پر کھڑا کر دیا ہو اگر دنیا کی تاریخ فی الحقیقت یہ ظاہر کرتی ہے کہ ٹھگوں اور ڈاکوؤں کی جماعتوں نے ایسے اعلیٰ اور عظیم الشان کارنمایاں کیے ہیں اور وہ اخلاق علم سائنس اور فلسفہ میں دنیا کے امام بنے ہیں تب فی الحقیقۃ پنڈت دیانند کی نکتہ چینی خواہ

غلط ہو خواہ صحیح تنقید کے دایرہ کے اندر آ سکتی ہے لیکن وہ الفاظ اور عبارتیں جن سے
ستیارتھ پرکاش کے سفید کاغذ سیاہ کیے گئے ہیں ✓ سچے واقعات کو عمداً غلط پیرایہ
میں اور کینہ اور بُغض سے بھرے ہوئے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جسکی غرض صرف دلوں کو دُکھانا ہے۔

مگر تنقید کا رنگ اپنے اندر نہیں رکھتیں بلکہ

ایک اور مثال لو۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامّی) کو صرف
اس لیے کہ آپ کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں زانی اور شہوت پرست قرار دیا گیا ہے لیکن
وہی شخص جو اپنے جیسے کروڑوں نفوس انسانیہ کے مقدس امام کو گالیاں دینے کیلیے
طیار ہے اپنے پیرووں پر اپنی منکوحہ بی بی کے علاوہ گیارہ عورتوں سے نیوگ کرنا اسی آیتیں
فرض قرار دیتا ہے جب اس شخص کے ہاں اسکی شرعی اور جایز بیوی سے نرینہ اولاد نہ ہوتی
ہو۔ لیکن یہ نیوگ گیارہ عورتوں سے دیانندی مذہب میں ایک پاک اور عمدہ کام سمجھا جاتا
ہے۔ اسی طرح ایک بیاہی ہوئی عورت اپنے خاوند کے سوا گیارہ دوسرے آدمیوں سے
ہمبستری کر سکتی ہے اگر اسکی نرینہ اولاد نہ ہو یا اور کوئی ضرورت پیش آجاوے۔ ایسا
آدمی جس نے ایسے گندے اور ناپاک اصول اپنے پیرووں کو سکھلائے کسی ایسے انسان کو
ملزم قرار نہیں دے سکتا جو بوجہ نہ ہونے نرینہ اولاد کے ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح
کرلے اور انکو اپنی شرعی اور جایز بیویاں بنالے۔ اس لیے ہم جب دیکھتے ہیں کہ دیانند
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامّی) کے حق میں محض تعدد ازواج کی وجہ
سے ناگفتنی کلمات استعمال کرتا ہے تو مجبوراً یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ اس کے گندے ریمارک
کسی واقعی اور صحیح اعتراض پر مبنی نہیں ہیں جو تعدد ازواج کی مستحکم رسم پر قایم ہو سکے جو اسوقت
ملک عرب میں شایع و متعارف تھی بلکہ یہ محض کینہ اور دشمنی کا نتیجہ ہیں۔

ہماری غرض اور ہمارا مدعا آریہ سماج کی مقدس کتابوں سے دل آزار اور حقارت آمیز
کلمات اور عبارتیں نقل کرنے سے یہ نہیں ہے کہ آریہ سماج اور اسکی کتب مقدسہ کو ذلیل
یا بدنام کیا جاوے بلکہ میں نے یہ مضمون اس لیے لکھا ہے تاکہ ہمارے تعلیم یافتہ اور

مہذب ہندو پڑوسی اس اہم معاملہ کی طرف توجہ کریں اور اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لیں کہ جبتک وہ نکتہ چینی اور اعتراض کرنے میں آریہ سماج کے بانی کے طریق اور نقش قدم پر چلتے رہیں گے جو اس نے دوسرے مذہبوں کے مقابلہ میں اختیار کیا تھا تو یہ خوب یاد رکھیں کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں باہمی پھوٹ جو سچائی اور اعلیٰ خیالات کے پھیلنے میں بھاری مانع اور روک ہے روز بروز ترقی کرتی جاویگی۔ اگر وہ یہ نہیں چاہتے کہ پھوٹ بڑھے اور ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اس بات کو پسند نہیں کریں گے تو انکے لیے یہ بہتر ہوگا کہ اپنے مذہبی رسالوں اور کتابوں کی طرز تحریر کو بدل ڈالیں اور بنی آدم کے مقدس ائمہ کی عزت کریں بجائے اس کے کہ انکے لیے ناگفتنی اور ناشنیدنی الفاظ تحریر میں لاویں۔ ایسا کرنے میں انکے اپنے مذہب کا بھی فایدہ ہے کیونکہ نرم الفاظ بہ نسبت دل آزار الفاظ کے بہت زیادہ اثر کرتے ہیں بشرطیکہ اُن الفاظ میں واقعی کوئی حقیقت یا اثر ہو۔

انہیں خوب یاد رہے کہ اگر مسلمان یا عیسائی انکے مذہب پر اسی طرح حقارت آمیز اور دل آزار الفاظ میں نکتہ چینی کریں جیساکہ وہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مذاہب پر کرتے ہیں تو وہ بھی اپنی تحریروں کے لیے کافی سامان جمع کر سکتے ہیں جس سے آریہ سماج کے دلوں کو دکھ پہنچے۔ لیکن ایسا طریق فایدہ بخش نتایج پیدا نہیں کریگا۔ خوش اخلاق اور متحمل بننے اور دوسروں کے بزرگوں کی عزت کرنے میں آریہ صاحبان کا کوئی حرج نہیں اور یہ نصیحت ہم سچے دل سے اس کے تمام سرگرم ممبروں اور حامیوں کو کرتے ہیں کاش وہ سمجھیں اور ناحق کی دل آزاری سے سچے دل سے توبہ کریں ۰

چار سوالوں کے جواب

سوال اوّل:- صحیح بخاری میں ہے اصدق کلمة قالھا الشاعر کلمة لبید "الا کل شیٔ ما خلا اللہ باطل" یعنی شاعروں میں سے سب سے زیادہ سچا لبید کا یہ قول ہے کہ خدا کے سوا ہر شے باطل ہے حالانکہ قرآن مجید میں اس کے خلاف ہے۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلاً۔

الجواب:- محض ایک لفظ کے ایک جگہ اثبات اور دوسری جگہ نفی سے دونوں قولوں کا متضاد ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ الفاظ کے معنوں میں بہت وسعت ہوتی ہے۔ اگر واقع میں کوئی حدیث قرآن کریم کے صریح الفاظ کے معارض اور مخالف ہو تو ہمارے نزدیک ایسی حدیث چھوڑنی چاہیئے کیونکہ اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جس احتیاط اور حفاظت سے قرآن کریم ہم کو پہنچا ہے حدیث کی ویسی حفاظت نہیں ہوئی۔ مگر جیسی مثال اس سوال میں پیش کی گئی ہے اس کی بہت سی نظیریں خود قرآن کریم میں ملتی ہیں یعنی کہ ایک ہی لفظ کا اثبات بھی ہوتا ہے اور پھر اس کی نفی بھی ہوتی ہے۔ مگر اس سے اختلاف یا تعارض ثابت نہیں ہوتا بلکہ ہمیں چاہیئے کہ ایسے الفاظ کے معنوں میں غور کریں مثلاً قرآن کریم کی ان آیات پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ سورۃ القصص کے چھٹے رکوع میں فرماتا ہے انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء۔ یعنی تحقیق تو کسی کو ہدایت نہیں کرتا جسکو دوست رکھے لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسکو چاہتا ہے اس آیت کریمہ میں نبی کریم کو فرمایا ہے کہ تو ہدایت نہیں کرتا جسکو چاہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سورۃ شوریٰ کے پانچویں رکوع میں فرماتا ہے وانک لتھدی الی صراط مستقیم ترجمہ۔ اور تحقیق ضرور تو ہدایت کرتا ہے سیدھی راہ کی طرف۔ دیکھیئے یہاں لتھدی ہے

فرماتا ہے۔ پہلی آیت کریمہ میں لا تھدی اور دوسری میں اثبات ہے۔ دوسری مثال یہ ہے ووجدك ضالاً۔ یعنی اور تجھ کو اللہ نے ضال پایا۔ دیکھیئے یہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ضال فرمایا ہے لیکن سورۃ النجم میں اسکی نفی کرتا ہے اور فرماتا ہے وماضل صاحبکم وماغوی۔ اے اہل مکہ تمہارا یہ ساتھی ضال نہیں ہے اور نہ غادی ہے۔ صاحب من! جہاں یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ ایک ہی لفظ کا اثبات کیا جاتا ہے اور اسی کا انتفاء تو اسوقت بوقت اثبات اور معنے مقصود ہوتے ہیں اور بوقت انتفاء اور معنے۔ انك لا تھدی کے یہ معنے ہوئے کہ یہ تیرے اختیار میں نہیں ہے کہ تو کسی کو ہدایت پر لے آوے اور انك لتھدی کے یہ معنے ہوئے کہ تو لوگوں کو سیدھی راہ کی طرف بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ہدایت ہے اسکو آکرلو۔ وجدك ضالاً میں ضال کے معنے طالب کے ہیں یعنی خدا نے جب دیکھا کہ تو خدا کا طالب ہے تو اس نے تجھے ہدایت کی راہ دکھادی اور ماضل صاحبکم میں گمراہی کے معنے ہیں چنانچہ غوی کا لفظ ہمارے اس معنے کے لیے صاف اور صریح قرینہ ہے ایسا ہی وجدك ضالاً میں ضال کے معنے سائل اور طالب کے ہیں چنانچہ ضال کے مقابلہ میں بطور لف ونشر اما السائل فلا تنھر میں سائل کا لفظ واقع ہوا ہے۔

اسی طرح بطلان کے بھی دو معنے ہیں۔ باطل کے معنے فانی کے بھی ہیں اور فنا بڑی عظیم الشان تغیر کو کہتے ہیں پس شاعر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا اور چیزیں فنا پذیر اور غیر ثابت ہیں۔ اور قرآن شریف میں جو لفظ باطل کا استعمال ہوا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو محض بے حقیقت ہو۔ قرآن شریف کی لغت میں لکھا ہے الباطل یقال لشئ لا حقیقۃ لہ۔ باطل اس چیز کو کہتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے پس دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سورۃ لقمان ماقبل آخر رکوع کی آخری آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ذٰلك بان اللّٰه ھو الحق وان ما

یدعون من دونه الباطل و ان اللّٰہ ھو العلی الکبیر۔ یعنی یہ اس لیے کہ اللہ حق ہے اور تحقیق وہ جو اس کے سوا پکارتے ہیں باطل ہے اور تحقیق اللہ ہی بڑے علو اور بڑی شان والا ہے۔ حالانکہ ایسے معبود بھی خواہ وہ پتھر ہوں یا انسان مخلوق ہونیکی حیثیت سے ربنا ما خلقت ھٰذا باطلا کے نیچے آتے ہیں۔ مگر معنوں کا رنگ الگ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس غرض کے لیے وہ پکارے جاتے ہیں اس غرض کے لیے باطل یعنی بے حقیقت اشیاء ہیں۔ شعر کے لفظ بھی قابل غور ہیں شاعر کہتا ہے کل شیٔ ما خلا اللہ باطل۔ جس میں گویا ایک طرح کا مقابلہ ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ایک ایسی عظیم الشان حقیقت ہے کہ اسکے مقابلہ میں تمام اشیا محض بے حقیقت ہیں۔ پس خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ شعر میں باطل کا لفظ فناپذیر اشیاء پر استعمال ہوا ہے اور ربنا ما خلقت ھٰذا باطلاً میں باطل بے حقیقت چیز پر مستعمل ہوا ہے۔ پس اس طرح سے اختلاف اُٹھ گیا۔

سوال دوم:۔ کنز العمال کی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ کی مٹی سے انسان کا خمیر ہوتا ہے وہیں وہ دفن کیا جاتا ہے۔ یہ روایتیں آپ کے نزدیک صحیح ہیں یا نہیں اور آیت کریمہ منھا خلقناکم الخ کو اس مضمون سے کچھ تعلق ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر کنز العمال کی حدیث کا آپ پتہ بتاتے تو ہمیں دیکھنے کی سہولت ہوتی اور ہم اس کی تحقیقات کر لیتے اب بھی اسکا پتہ آپ کو یاد ہو تو ان احادیث پر غور کیا جا سکتا ہے منھا خلقناکم آیت کریمہ کے مضمون کو اُس حدیث سے کچھ تعلق معلوم نہیں ہوتا اگر وہ حدیث متحقق ہو جاوے۔ منھا سے عام روئے زمین مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ماتدری نفس بای ارض تموت۔ یعنی کسی نفس کو معلوم نہیں ہے کہ وہ کس ملک یا زمین میں مریگا۔

سوال سوم:۔ قرآن مجید میں جو رکوع لگائے گئے ہیں یہ کس زمانہ میں لگائے گئے ہیں۔ انکا لگانیوالا کون ہے اور ان سے کیا غرض مدنظر رکھی گئی ہے۔ رکوع انکا نام کیوں رکھا گیا۔ رکوع کے مشہور و متعارف معنے سے اس بدعت کو کیا تعلق۔ اگر یہ فعل صحابہ و تابعین

کا ہے تو حدیثوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں۔ بعض قرآنوں میں جو وقف نبی۔ وقف جبریل وقف منزل۔ وقف غفران وغیرہ مہمل الفاظ لکھے ہیں۔ ان کے معنے کیا ہیں وقف نبی اور وقف جبریل میں تضاد کیسا۔ کیا معاذ اللہ جبریل نبی کے یا نبی جبریل کے مخالف تھے جو اپنا اپنا قلعہ علیحدہ بناتے تھے ؟۔

الجواب :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قرآن شریف کو نماز میں پڑھ کر خود سنایا ہے اور جہاں جہاں آپ نے رکوع کرنا بلا کسی خاص ضرورت کے ثابت ہوا ہے اس پر بطور یادگار کے رکوع کا نشان قرآن مجید کے اصل متن سے باہر لگا دیا گیا ہے۔ یہ اعتراض کہ "اگر یہ فعل صحابہ و تابعین کا ہے تو حدیثوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں" صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیوں کہ احادیث کا فن اور علم بالکل جدا ہے اور علم قرأت کا فن علیحدہ ہے۔ آپ کو مزید تحقیق کی ضرورت ہو تو آپ "کتاب منار الہدیٰ فی بیان الوقف و الابتداء" کو ملاحظہ فرماویں۔ اس محولہ بالا کتاب کے صفحہ ۳ میں لکھا ہے وقال علی کرم اللہ وجہہٗ فی قولہ تعالیٰ و رتل القراٰن ترتیلا۔ الترتیل تجوید الحروف ومعرفۃ الوقوف اسکا ترجمہ یہ ہے اور کہا علی کرم اللہ وجہہٗ نے اللہ تعالیٰ کے قول میں ورتل القراٰن ترتیلا۔ الترتیل کے معنے ہیں حروف سنوار اور درست کر کے پڑھنا اور وقفوں کو پہچاننا۔ اور اس میں یہ بھی لکھا ہے وقال ابن الانباری من تمام معرفۃ القراٰن الوقف والابتداء اذ لا یتاتی لاحد معانی القراٰن الا بمعرفۃ الفواصل فھذا ادل دلیل علی وجوب تعلمہ وتعلیمہ۔ یعنی اور ابن انباری نے کہا قرآن شریف کی اعلیٰ معرفت اسکو حاصل ہوتی ہے جو جانتا ہے کہ کہاں ٹھہرنا ہے اور کہاں سے شروع کرنا ہے کیونکہ قرآن شریف کے معانی کی معرفت ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی جب تک اس کے فاصلوں اور فرق کو اچھی طرح سے نہ سمجھ لیا جاوے اور یہی ایک بڑی دلیل ہے کہ یہ علم پڑھنا اور پڑھانا واجب ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۵ میں لکھا ہے قال السخاوی ینبغی للقاری ان یتعلم وقف جبریل فانہ کان

یقف فی سورۃ اٰل عمران عند قولہ قل صدق اللہ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یتبعہ وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقف فی سورۃ البقرۃ عند قولہ فاستبقوا الخیرات وفی سورۃ المائدۃ عند قولہ سبحانک مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق وکان یقف قل ھٰذہ سبیلی ادعوا الی اللہ ثم یبتدی علٰی بصیرۃ انا ومن اتبعنی وکان یقف کذٰلک یضرب اللہ الامثال ثم یبتدی للذین استجابوا لربھم الحسنٰی وکان یقف والانعام خلقھا ثم یبتدی لکم فیھا دفءٌ وکان یقف افمن کان مؤمناً کمن کان فاسقاً ثم یبتدی لایستوون وکان یقف ثم ادبر یسعٰی فحشر ثم یبتدی فنادی فقال انا ربکم الاعلٰی وکان یقف لیلۃ القدر خیر من الف شھر ثم یبتدی تنزل الملائکۃ فکان صلی اللہ علیہ وسلم یتعمد الوقف علٰی تلک الوقوف وغالبھا لیس راس اٰیۃ وما ذٰلک الا بعلم لدنی علمہ من علمہ وجھلہ من جھلہ فاتباعہ سنۃ فی جمیع اقوالہ وافعالہ

جسکا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ قاری قرآن مجید کو وقف جبریل ضرور سیکھنا چاہیئے حضرت جبریل قل صدق اللہ پر وقف کیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپکی اتباع کیا کرتے تھے اس تمام عربی عبارت میں یہ گن کر بتا دیا گیا ہے کہ کس کس مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقف کیا کرتے تھے اور کہاں سے آپ شروع کیا کرتے تھے۔ آخر میں امام سخاوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جان بوجھکر ان وقفوں پر وقف کیا کرتے تھے اور غالباً یہ ایسے وقف ہیں کہ یہ آیت کے سرے نہیں ہیں یعنی آیت انسے شروع اور نیز ختم نہیں ہوتی بلکہ یہ وقف وسط آیت میں واقع ہوئے ہیں اور ان وقفوں کا آپ کو اللہ جلشانہٗ کی طرف سے خاص علم بخشا گیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے فاذا قرأناہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ یعنی جب ہم قرآن کو پڑھیں اس ہمارے پڑھنے کی تم اتباع کیا کرو پھر

تحقیق ہم پر ہے اس کا بیان کر دینا۔ پس آپ کی اتباع کرنا عین سُنت اور اسوۂ حسنہ ہے آپ کے تمام اقوال اور افعال میں اتباع کرنی بہت ضروری اور لابدی امر ہے۔ وقف منزل کے لیے درۃ الفرید ملاحظہ ہو۔

قرآن کریم کے عجائبات میں تدبّر کرنا حضرت جبرئیل علیہ السلام کا کام بھی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام بھی ہے بعض وقت آیات مغفرت کے ذکر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مغفرت کے لیے دعائیں شروع کر دیا کرتے تھے جہاں کہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کو وقف کرتے دیکھا اس کا نام وقف جبرئیل ہے اور جہاں آپ کو قراء نے وقف کرتے دیکھا اس کا نام وقف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جہاں آپ نے مغفرت کے لیے دعائیں مانگیں وہاں وقف غفران لکھا گیا ہے۔

سوال چہارم:- مرنے کے بعد انسان اپنی ازواج و اولاد سے ملیگا یا نہیں؟۔

الجواب:- قرآن کریم میں اس سوال کا بصراحت جواب دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین اٰمنوا واتبعتہم ذریتہم بایمان الحقنا بہم ذریتہم وما التناہم من عملہم من شئ کل امرئ بما کسب رہین۔ اور اس کا یہ ترجمہ ہے کہ "وہ لوگ جو ایمان لاچکے ہیں اور انکی ذرّیت (اولاد) نے انکی اتباع کی ہے ایسی اتباع کہ ان جیسا وہ بھی ایمان لائے ہیں ہم انکی اولاد کو انکے ساتھ ہی ملا دیں گے اور انکو کسی عمل میں بھی کمی نہیں کرینگے ہر ایک اپنی کمائی کا گرو ہے۔" پھر ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ربنا وادخلہم جنات عدن التی وعدتہم ومن صلح من اٰبائہم وازواجہم وذریاتہم یعنی "اے ہمارے رب اور انکو داخل کر دے رہنے کے باغوں میں جو تُو نے انسے وعدہ کیا ہے اور انکو بھی انکے ساتھ داخل کر جو انکے آباؤ اجداد میں صلاحیت رکھتے تھے اور انکی ازواج اور ذریات کو بھی جو سنوارنے والے تھے۔" دیکھیے اس آیت کریمہ میں صاف فرما دیا ہے کہ سنوار والی ازواج اور اولاد مومن انسان کے ساتھ جنت میں داخل ہونگی

اور پہلی آیت کریمہ میں صاف الحقنا بھم کا لفظ وارد ہوا ہے۔

اب رہا یہ کہ کافروں کو بھی انکی ازواج اور اولاد ملیگی یا نہیں۔ اسکا جواب بھی قران شریف میں دیا ہے احشروا الذین ظلموا و ازواجھم وما کانوا یعبدون من دون اللہ فاھدوھم الی صراط الجحیم۔ ظالموں اور انکی ازواج کو اور اُن لوگوں کو جو اللہ کے سوا اور بتوں کو پوجتے تھے اکٹھا کرکے جحیم کی راہ کی طرف لیجاؤ۔ بات بہت صاف اور بیّن ہے کہ اگر انسان سے مراد کافر انسان ہے تو اس کی اولاد اور ازواج اگر وہ ویسی ہی کافر ہیں اس کے ساتھ وہ بھی جہنم میں جائیں گے اور اگر صلاحیت والے ہیں تو انکو جنّت میں داخل کیا جاویگا کیونکہ لاتزر وازرۃ وزر اخریٰ اور اگر انسان مومن ہے اور اس کی ازواج اور اولاد کافر ہیں تو مومن انسان تو بہشت میں جائیگا اور کافر ازواج اور اولاد جہنم میں داخل کیے جاوینگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ضرب اللہ مثلاً للذین کفروا امرات نوح و امرات لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتاھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئاً وقیل ادخلا النار مع الداخلین۔ ہر دو حضرت نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویاں کافر تھیں اور ہمارے نیک بندوں کے نیچے تھیں انہوں نے خیانت کی پس وہ اللہ کے مقابلہ میں کچھ کر نہ سکیں اور انکو کہا گیا کہ آگ میں داخل ہونیوالوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ اسی آیت کریمہ کے بعد فرعون کی بیوی کو مومنوں کے لیے بطور مثال پیش کیا گیا ہے جو دعا مانگتی ہے رب ابن لی عندک بیتاً فی الجنۃ و نجنی من فرعون و عملہ و نجنی من القوم الظالمین۔ وہ مضطر تھی ضرور اسکی دعا بمفحوائے امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء اور فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ ضرور قبول ہوگئی ہوگی اور جنت میں ضرور داخل کی گئی ہوگی۔ یہاں ہمیں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ ایک بد اور کافر انسان کی بیوی اگر وہ صلاحیت رکھتی ہے جنت میں داخل کیجاویگی اور کہ نیک

بندوں کی ازواج مثلاً لوط اور نوح علیہما السلام کی بیبیاں نار دوزخ میں داخل کیجاتی ہیں اگر وہ ازواج صلاحیت سے کچھ حصہ نہیں رکھتی ہیں بلکہ کافروں کے لیے نمونہ بنجاتی ہیں۔ اور نیک اور مومن بندوں کی ناخلف اولاد کی بابت قرآن شریف میں صاف لکھا ہے فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ و اتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیاً۔ پس اُن نیکوں کے بعد انکی ایسی نااہل اور نالایق اولاد پیدا ہوئی کہ انہوں نے نماز کو ضایع کردیا اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑگئے پس وہ جہنم میں ڈالے جاویں گے۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کو فرمایا گیا انہ لیس من اھلک وہ جسکو تُو اپنا بیٹا بتاتا ہے وہ تیری اہل سے نہیں ہے۔ پس اگر انسان مومن ہے اور اسکی اولاد اور ازواج بھی مومن ہیں. تو وہ اسکے ساتھ جنّت میں داخل ہونگے اور اگر انسان کافر ہے اور اسکی اولاد اور ازواج بھی کافر ہیں تو وہ انکے ساتھ دوزخ میں داخل ہوں گے اور اگر انسان مومن ہے اور اس کی اولاد اور ازواج کافر ہیں تو مومن انسان تو بہشت میں جاویگا اور ازواج اور اولاد دوزخ میں۔ اور اگر انسان کافر ہے اور اسکی اولاد اور ازواج مومن ہیں تو کافر انسان دوزخ میں اور اسکی اولاد اور ازواج بہشت میں جاوینگی۔ الغرض انسان اپنی ازواج و اولاد سے ملیگا اگر ہر دو ایک ہی حالت رکھتے ہیں بالفاظ دیگر انسان کو اپنی ازواج و اولاد سے ملنے کے لیے صرف دو حالتیں ہیں یا تو ہر دو مومن ہیں تب مل سکیں گے یا اگر ہر دو کافر ہیں تب مل سکیں گے۔
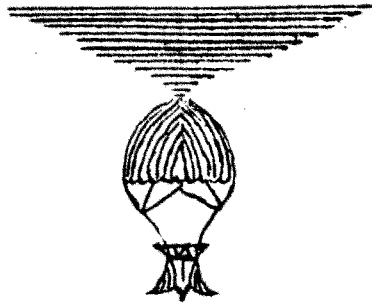
ہمارے نکتہ چین

نکتہ چینی یا تنقید ایک ضروری مفید چیز ہے۔ اور بجائے خود ہمیں اس بات سے کبھی رنج نہیں پہنچتا کہ کوئی شخص ہماری کسی غلطی پر ہم کو آگاہ کر دے۔ لیکن ہماری نکتہ چین جب کبھی ہماری تحریروں پر قلم اٹھاتے ہیں تو انسے یہ توقع نہیں ہوتی کہ ایک حق سے پیار کرنیوالے منتقد کی طرح وہ ہماری کسی اچھی بات کو اچھا کہہ سکیں اور جو غلطی ہو اسکو ظاہر کریں بلکہ اس بغض کی وجہ سے جو سلسلہ حقہ کے ساتھ ہمارے علماء کو ہے وہ عیب جوئی میں ہی لگے رہتے ہیں۔ ہم نے اس رسالہ میں بہت سے مفید مضامین محض خدائے تعالیٰ کی توفیق اور اسی کی اعانت سے لکھے ہیں۔ لیکن علماء میں سے بہت کم لوگ ہونگے جو انکے متعلق کلمۃ الخیر مُنہ سے نکال سکیں۔ یہ مَیں اس لیے نہیں لکھتا کہ ہمیں ان باتوں کی کچھ پرواہ ہے۔ بلکہ محض علماء کی اس حالت پر رونا آتا ہے کہ جو باتیں اسلام کے لیے مفید ہیں وہ ان میں بھی ہماری تائید نہیں کر سکتے۔ اسوقت میرے سامنے رسالہ الہادی جنوری ۱۹۰۸ء کا نمبر پڑا ہے اس میں ایک مضمون بعنوان "آئینہ قادیانی یعنی قادیانی قرآن دانی" لکھا گیا ہے۔ جس کی غرض میں نہیں سمجھتا کہ کیا ہے۔ اس میں یہ ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے کہ بعض لطیف معانی قرآن کریم کے جو حضرت مرزا صاحب نے بیان کیے ہیں وہ کسی پہلی تفسیر میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ایک دو باتوں کو لیکر یہ ثابت کر دینا کچھ مشکل امر نہیں بلکہ اسلام کے مخالفوں نے تو انہی ہمارے علماء کی طرح یہ کوشش بھی کی ہے کہ قرآن کریم کے کسی مضمون کو کسی پہلی کتاب کے مضمون سے ملتا ہوا ثابت کیا جائے۔ مگر کیا اس سے قرآن کریم کے وحی من اللہ اور کلام الٰہی ہونے پر کوئی اعتراض وارد ہو سکتا ہے؟ الہادی کے ایڈیٹر اگر غور کریں تو وہ سمجھ سکتے ہیں کہ انکی کوشش حضرت مرزا صاحب کے خلاف پادری صاحبان کی اس

کوشش سے بہت کم درجہ پر ہے۔ جس طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ ہزار ہا حقایق قرآن کریم میں ایسے بھرے پڑے ہیں جنسے پہلی تمام کتابیں خالی ہیں مگر یہ ہمارا دعوی نہیں کہ قرآن کریم نے ان صداقتوں کو جو پہلی کتابوں میں پائی جاتی ہیں بالکل چھوڑ دیا ہے اسی طرح ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے جو معارف اور حقایق حضرت مرزا صاحب نے بیان فرمائے ہیں انکے متعلق ہمارا یہ دعوی نہیں کہ ان میں سے کوئی نکتہ معرفت پہلی کسی کتاب یا تفسیر میں بیان نہیں کیا گیا بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہزار ہا معارف اور حقایق نئے بیان کیے گئے ہیں بعد کی کتابوں کو تو جانے دو براہین احمدیہ میں جو کچھ خدمت اسلام کی گئی ہے اسکا اعتراف خود مولوی محمد حسین بٹالوی نے کیا ہے اور اسکو ایسی خدمت قرار دیا ہے جس کی نظیر تیرہ ۱۳سو سال کے اندر نہیں ملتی۔ پھر ان باتوں سے کہ فلاں آیت کی فلاں تفسیر جو مرزا صاحب نے لکھی ہے وہ تفسیر کبیر میں فلاں موقعہ پر پائی جاتی ہے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے: ہاں ان علماء کی حالت پر ایسی باتوں کو پڑھکر افسوس آتا ہے۔

اسی مضمون میں ہمارے ایک مضمون کے متعلق جو اسی سال میں رسالہ ہذا میں نکلا ہے کچھ نکتہ چینی کی گئی ہے اور ہماری دو باتوں کو غلط کہکر یہ نتیجہ پیش کیا ہے کہ قادیانی جماعت قرآن نہیں جانتی۔ یہ اعتراض ہمارے اس مضمون پر ہیں جو ڈاکٹر چنتو پادھیا کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ اس مضمون میں ہم نے یہ دکھایا تھا کہ آیت قرآنی ان اللہ یبشرك بکلمۃ منہ سے جو عیسائی صاحبان مسیح کی ربوبیت کا استدلال کرتے ہیں یہ محض غلط ہے۔ اس آیت کے معانی بیان کرنے اور کلمۃ من اللہ کی اصل حقیقت ظاہر کرنیکے بعد ہم نے یہ لکھا تھا کہ "اسجگہ ہم ایک اور معنے بھی لکھتے ہیں جو قرآن کریم کے الفاظ پر چسپاں ہیں اور وہ یہ ہیں کہ سورہ آل عمران کی چالیسویں آیت میں حضرت مریم کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے ان اللہ یبشرك بکلمۃ منہ جس کے یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ خدائے تعالی اپنے ایک کلمہ یعنی پیشگوئی کے ذریعہ تجھے بشارت دیتا ہے" اس عبارت کو نقل کر کے ایڈیٹر صاحب الہادی لکھتے ہیں:-

"اس آیت ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ میں ایڈیٹر صاحب نے ب کے معنے ذریعہ اور کلمہ کے معنے پیشگوئی کیے ہیں جو اس مقام پر قواعد زبان عربی اور آیات قرآن شریف کی رو سے بالکل غلط ہیں۔ کیونکہ بَشَّرَ کے دو مفعول آتے ہیں ایک وہ جسے بشارت دیجائے دوسرا وہ جس کی بابت یعنی جس چیز یا امر کی بشارت دیجائے۔ پہلے مفعول کے ساتھ کوئی حرف جر نہیں آتا اور دوسرا مفعول بواسطہ ب حرف جر کے آتا ہے۔

پس جسکے ساتھ ب ہوگی اسکی بابت بشارت ہوگی جیساکہ سورہ صافات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پیدا ہونیکی بشارت دینے کے متعلق فرمایا فبشرنٰہ بغلام حلیم"

اس کے بعد ایڈیٹر صاحب الہادی نے قرآن شریف سے چند اور مثالیں اسی قسم کی بیان کی ہیں جن میں بشر کے دو مفعول آئے ہیں اور دوسرا مفعول جس کے ساتھ ب حرف جر ہے وہ ہے جسکی بابت بشارت دی گئی ہے۔ اگر ہم نے کہیں اس بات کا انکار کیا ہوتا۔ یا معمولی معنوں کا جو الفاظ قرآنی ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ کے کیے جاتے ہیں انکار کرکے کوئی اور معنی پیش کیے ہوتے تو ایڈیٹر صاحب الہادی کا اس بات پر زور دینا اور مثالیں پیش کرنا کچھ معنی رکھتا تھا مگر جس حالت میں ہم نے خود ایسے ہی معنے کیے تھے اور انہی کی بنا پر ڈاکٹر چیتو پادھیا کے استدلال کو باطل ثابت کیا تھا۔ اور دوسرے معنے کے متعلق جو پیش کیے تھے صرف یہ کہا تھا کہ "یہ معنے بھی قرآن کریم کے الفاظ پر چسپاں ہوسکتے ہیں" ان تمام مثالوں کی جو الہادی میں پیش کی گئی ہیں کوئی ضرورت نہ تھی۔ اگر ان مثالوں کے دینے سے یہ منشا ہے کہ وہ معنے الفاظ قرآنی پر چسپاں نہیں جنکے متعلق ہم نے یہ لکھا تھا تو یہ غلط ہے۔ مجھے یہ افسوس ہے کہ طرز تحریر جو الہادی میں اختیار کیا گیا ہے وہ متانت اور شائستگی کو اپنے ساتھ لیے ہوئے نہیں۔ انہوں نے نکتہ چینی

کرنے میں غلطی کھائی ہے مگر میں انکی طرح یہ نہیں کہتا کہ اس سے انکی سراسر جہالت اور ناواقفیت ثابت ہوتی ہے۔ جیسا مجھے انہوں نے کہا ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ محض اس عناد کی وجہ سے جو انکو ہمارے سلسلہ سے ہے انہوں نے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ورنہ غلطی سے کون انسان خالی ہے؟ اور اگر انکو بجائے خود یہ دعویٰ ہے کہ انسے کبھی غلطی نہیں ہوتی تو میں اسی نکتہ چینی میں انکی غلطی دکھا دیتا ہوں الفاظ کے ان معنی کو جو مینے کیے ہیں غلط ثابت کرنیکے لیے انہوں نے حسب ذیل دعوے کیے ہیں۔

اوّل یہ کہ بَشَّرَ کے دو مفعول آتے ہیں ایک وہ جسے بشارت دیجائے دوسرا وہ جس کی بابت یعنی جس چیز یا امر کی بشارت دیجائے۔

دوئیم یہ کہ بشر کے بعد جسکے ساتھ ب ہوگی اس کی بابت بشارت ہوگی۔

سوئیم یہ کہ معنے جو ان اللہ یبشرك بكلمة منه میں ب کے معنے ذریعہ کو جایز رکھا ہے وہ قواعد زبان عربی اور آیات قرآن شریف کے رو سے بالکل غلط ہیں۔

ایڈیٹر صاحب الہادی کے یہ تینوں دعوے غلط ہیں۔ پہلا دعویٰ یہ تھا کہ بشر کے دو مفعول آنے چاہییں۔ قرآن کریم میں بہت سی مثالیں اس کی موجود ہیں سورۃ الحجر میں حضرت ابراہیم فرماتے ہیں ابشرتمونی علیٰ ان مسنی الکبر۔ یہاں دوسرا مفعول کوئی نہیں۔ ایسا ہی مندرجہ ذیل مقامات قرآن شریف کے دیکھو جہاں دوسرا مفعول کوئی نہیں صرف ایک ہی مفعول ہے۔ فبشر عباد (۳۹-۱۷)۔ وبشر المؤمنين (۲-۲۲۳) وبشر الصابرین (۲-۱۵۰) بشر المؤمنین (۹-۱۱۳ و ۱۰-۸۷ و ۱۳۶) بشر المخبتین-(۲۲-۳۴) بشر المحسنین (۲۲-۳۸)

دوسرا دعویٰ یہ کہ جسکے ساتھ ب ہوگی۔ سورۃ الحجر میں جہاں فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو کہا قالوا بشرنٰك بالحق-۱۵-۵۵- کیا معترض صاحب کے نزدیک وہاں یہ معنے ہیں کہ ہم تجھے الحق کی بشارت دیتے ہیں؟ اور الحق وہ چیز ہے جسکی بابت

بشارت دی گئی تھی؟ یا بشارت کسی اور چیز کی بابت تھی؟ اگر کوئی شک ہو تو قرآن شریف کا
کوئی ترجمہ نکال کر دیکھ لیں۔ اسی بات کی تائید میں کہ بشر کے بعد جسکے ساتھ ب ہو ضروری
نہیں کہ اسی کے متعلق بشارت بھی ہو وہ آیت بھی ہے جو میں اب پیش کرتا ہوں۔

معترض کا یہ بڑا دعویٰ ہے کہ بشر کے بعد جو ب آئیگی تو اسکے معنے ذریعہ نہ ہونگے
اور قواعد عربی اور قرآن شریف کی آیات کی رو سے یہ غلط ہے۔ اب وہ قرآن کریم کی ذیل
کی آیت پر غور کریں۔ فانما یسرنٰه بلسانك لتبشر به المتقین و تنذر به
قوما لدًّا - ۱۹-۷-۹ - آخر سورہ مریم - اب یہاں یہ ظاہر ہے کہ بہ میں جو ضمیر ہے وہ قرآن
کریم کی طرف ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا معترض کے نزدیک آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے
قرآن کریم کو اس لیے تیری زبان میں آسان کیا ہے کہ تو اس قرآن کی بابت متقیوں کو
بشارت دے یا یہ کہ تو اس کے ساتھ یعنی اسکے ذریعہ متقیوں کو بشارت دے؟
اگر وہ چاہیں تو ترجمے بھی دیکھ سکتے ہیں کہ اسجگہ ب کے معنے تمام مترجمین نے ذریعہ یا
ساتھ کے کیے ہیں اور بابت کے معنے کسی نے نہیں کیے۔ یعنی اسجگہ غرض یہ نہیں کہ قرآن
کو ہم نے اس لیے آسان کیا ہے کہ تو قرآن کی بابت بشارت دے بلکہ مفہوم آیت کا یہ ہے
کہ قرآن کو ہم نے اس لیے آسان کیا ہے کہ تو اس کے ذریعہ یا اس کے ساتھ نیک لوگوں
کو خوشخبری سنا دے۔ بعینہٖ جسطرح اسی آیت کے دوسرے ٹکڑے میں ہے و تنذر به
قوما لدا - یعنی اس کے ذریعہ یا اس کے ساتھ ایک جھگڑالو قوم کو ڈر سنا دے۔ اس
آیت کریمہ سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک تو یہ کہ خود قرآن کریم میں بشر کے بعد ب
کے لانیسے ذریعہ کے معنے لیے گئے ہیں اور دوسرے یہ کہ یہ ضروری نہیں کہ بشر کے
بعد جس لفظ کے ساتھ ب ہو اسکی بابت بشارت ہو۔ اور یہی امر بشرنٰك بالحق سے
بھی ثابت ہے جیسا کہ ہم ابھی دکھا چکے ہیں۔ اسی طرح ہم نے ان اللہ یبشرك بکلمة
منه میں ب کے معنے ذریعہ کے کیے تھے۔ یعنی خدا تجھے اپنے ایک کلمہ کے ذریعہ

بشارت دیتا ہے پس ہمارے ان الفاظ پر کہ یہ معنے بھی اسجگہ چسپاں ہو سکتے ہیں
کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔ اور نہ ہی یہ معنے ”آیات قرآن شریف کے روسے بالکل
غلط“ ثابت ہوتے ہیں بلکہ برعکس اسکے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معترض نے تعجیل سے کام لیا ہے
کیونکہ اسکی غرض احقاق حق نہ تھی پبلک کے سامنے کوئی اعتراض ہماری تحریر پر پیش کرنا اس کا
اصل مقصد تھا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اپنے ناظرین کو اب بھی اس دھوکہ سے نکالنے کی
کوشش کریں گے جس میں انکی نکتہ چینی نے انہیں ڈال رکھا ہے۔

اسی معنے کی تائید میں ہم نے یہ الفاظ وکلمتہٗ القٰھا الیٰ مریم بھی پیش کیے
تھے۔ مگر اسجگہ درحقیقت ایک غلطی ہوئی۔ یہ مضمون اصل میں انگریزی زبان میں لکھا گیا
تھا چنانچہ انگریزی رسالہ میں نومبر ۱۹۰۷ء میں شایع ہو چکا ہے۔ اسکا ترجمہ جنوری ۱۹۰۸ء
کے رسالہ اردو میں نکلا۔ مگر اس موقع پر مترجم سے ایک غلطی ہوئی۔ اصل معنے ان الفاظ کے
جو ہم نے انگریزی میں لکھے تھے یہ تھے کہ ”اسجگہ عربی لفظ القا استعمال کیا گیا ہے جو کئی
موقعہ پر قرآن شریف میں خدا کے اس کلام کے نازل ہونے پر بولا گیا ہے جو وہ اپنے بندوں
پر وحی کرتا ہے“ دیکھو ریویو آف ریلیجنز انگریزی جلد ۶ صفحہ ۴۱۲۔ دوسری سطر انگریزی
میں اس سے کم و بیش الفاظ نہ تھے مگر مترجم نے کسیقدر آزادی سے اس خیال کو یوں ادا
کر دیا جو درحقیقت نہ اصل الفاظ کا ترجمہ ہے اور نہ ہی مطلب کے لحاظ سے صحیح ہے کہ ”اس
میں کلمہ کے ساتھ فعل القی ہے۔ القا میں جسمانی فعل کو دخل نہیں ہوتا۔ قرآن شریف
میں کئی جگہ یہ لفظ آیا ہے اور اس میں ہر جگہ اس لفظ کے معنے الہام کرنیکے ہیں“۔ اسمیں ایڈیٹر
اپنی ذمہ واری سے بھی انکار نہیں کرتا۔ مگر درحقیقت یہ غلطی مترجم کی ہی ہے۔ باقی رہا وہ
مضمون جو ہم نے خود انگریزی الفاظ میں ادا کیا ہے اس کی تائید میں ہم کئی آیات قرآنی
پیش کر سکتے ہیں۔ جیسے مثلاً یلقی الروح من امرہ علیٰ من یشاء من عبادہ ۔۔۴۰۔۱۵۔
ءالقی الذکر علیہ من بیننا۔ سورۃ القمر۔ دماکنت ترجوا ان یلقی الیک الکتاب

الا رحمة من ربك - اور و انك لتلقى القرآن من لدن حكيم عليم جہاں لتلقى القرآن کے معنے کیے گئے ہیں اى يلقى اليك القرآن +

مذہب اسلام کے متعلق ایک دہریہ کے خیالات

نیچے ہم پروفیسر ارنسٹ ہیکل کے ان خیالات کا ترجمہ کرتے ہیں جو انہوں نے اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ کرتے ہوئے ظاہر کیے ہیں یہ پروفیسر صاحب جرمنی کے ایک مشہور سائینس دان ہیں اور یہ خیالات انہوں نے ایک ولایت کے رسالہ میں ظاہر کیے ہیں۔

"جب تم اپنے بچے کو مدرسہ میں بھیجتے ہو تو اسے پہلے ہی دن مذہبی سبق دیا جاتا ہے اور مسئلہ تثلیث سکھایا جاتا ہے اسکو یہ تعلیم دیجاتی ہے کہ ۱+۱+۱=۱ (گویا یہ تثلیث کا خلاصہ ہے) دوسرا سبق اس کا حساب کا ہوتا ہے جہاں اس کو یہ پڑھایا جاتا ہے کہ ۱+۱+۱=۳ (جس سے مسئلہ تثلیث کی لغویت ثابت ہوتی ہے) اور پھر یہ تثلیث کا مسئلہ ایسا بھی نہیں جس کے ایجاد کرنیکا فخر عیسائی مذہب کو حاصل ہو۔ بلکہ اسکا اصل بعض پرانی بت پرست یا سورج کے پوجنے والی قوموں میں پایا جاتا ہے۔ جس سے کسیقدر ترقی کر کے عیسائیوں نے یہ تثلیث کا مسئلہ قایم کیا ہے ہندوستان میں بھی اسی قسم کا مسئلہ ہے جو تثلیث سے ملتا جلتا ہے۔ مگر سخت قابل اعتراض امر جو اس مذہب میں پایا جاتا ہے وہ خدا کو انسانی صفات دینا اور انسانوں کے خیالات کے مطابق اسے بنانا ہے۔ عیسائی مذہب کو توحید کا مذہب کہنا ایک بڑی بیہودہ اور نامعقول بات ہے۔ اپنی موجودہ صورت میں عیسائی مذہب ایک مشرکانہ مذہب ہے۔ کیونکہ اس میں صرف تین ہی خدا نہیں کہے جاتے بلکہ مریم اور ہزارہا اولیا ایسے بنائے گئے ہیں جن میں خدائی صفات مانی جاتی ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ توحید کا مذہب جو دنیا میں پایا جاتا ہے وہ اسلام ہے

اگر مجھے کوئی مذہب رکھنے کے لیے مجبور کیا جائے۔ تو میں مسلمانوں کے مذہب کو ترجیح دونگا انکی عبادت کو دیکھو کیسی دل پر اثر کرنیوالی اور پاکیزہ ہے انکے عبادت خانے یعنی مسجدیں بھی اسی پاکیزہ عبادت کے موزون ہیں۔ عیسائی گرجاؤں کے مقابلہ میں وہ کیسی عمدہ اور شاندار عمارتیں ہیں۔ گرجے اندر سے تصاویر اور نقش و نگار سے آراستہ ہوتے ہیں اور انکی بیرونی دیواروں پر انسانوں اور حیوانوں کی شکلیں اور ڈراؤنی تصویریں ہوتی ہیں۔ اور کیسی سادہ اور سنجیدہ قرآن شریف میں عبادت بتائی گئی ہے۔ اس عبادت کا مقابلہ ان بے معنے الفاظ سے اور ان لوگوں سے کرو جو عیسائی گرجوں میں بولے اور گائے جاتے ہیں ؎

اسلامی تعلیم کی خوبی

جو تعلیم اسلام کی حضرت مرزا صاحب نے اپنے اس لیکچر میں بیان کی تھی جو آریہ سماج لاہور کے گذشتہ سالانہ جلسہ پر پڑھا گیا تھا۔ اس نے تمام سمجھ دار دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے درحقیقت اس سے زیادہ پاکیزہ اور اس سے بڑھکر وسعت والی تعلیم کیا ہو سکتی ہے کہ تمام مذاہب کو جنہوں نے اسوقت یا پہلے دنیا کے بڑے حصہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے خدا کی طرف سے مان لیا جاوے۔ اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے دنیا میں آکر یہ تعلیم دی ورنہ تمام قومیں اپنے تک ہی خدا کے کلام اور نجات کے دائرہ کو محدود سمجھتی تھیں قرآن کریم نے یہ تعلیم دنیا میں پھیلائی کہ ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ اور پھر نبوت کے دائرہ کو انہیں نبیوں تک محدود نہیں نہیں رکھا جنکا ذکر قرآن شریف میں ہے بلکہ یہ بھی فرمایا کہ ایسے بھی نبی دنیا میں آئے ہیں جنکا ذکر قرآن شریف میں نہیں کیا گیا۔ اسلام کی اسی وسعت والی تعلیم کو ہاتھ میں لیکر حضرت مرزا صاحب نے آریہ سماج کو وہ صلح کا پیام دیا تھا جس کا جواب افسوس ہے کہ آریہ سماج کی طرف سے الٹا ہی ملا۔

یہ مضمون انگریزی میں ترجمہ ہوکر انگریزی خوان پبلک کے سامنے پیش ہوچکا ہے۔ اور غیر مذاہب کے سمجھدار لوگوں نے بھی اسلام کی اس تعلیم کو بڑی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ لاہور کا آریہ اخبار آریہ پتر کا ان تمام حوالجات کو پڑھکر (جو اس بارہ میں پیش کیے گئے تھے کہ اسلام یہ تعلیم نہیں دیتا کہ تم دین کی خاطر لوگوں کو قتل کرو بلکہ وہ دوسرے مذاہب کے لیے بھی آزادی قایم کرتا ہے) یہ لکھتا ہے کہ ہم عربی نہیں سمجھ سکتے اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ آیا قرآن شریف کی فی الواقع یہی تعلیم ہے یا کچھ اور۔ کسقدر افسوس ہے کہ بجائے اپنی غلطی کا اعتراف کرنیکے جو ہمیشہ سے وہ اسلام پر الزام دیتے رہے ہیں یہ عذر نامعقول پیش کیا گیا ہے کہ ہم عربی آیات محولہ کو نہیں سمجھ سکتے۔ آخر قرآن شریف کے اردو اور انگریزی ترجمے بھی موجود ہیں وہ وہاں سے عربی آیات کے معنے دیکھ سکتے تھے۔ اور کیا آجتک عربی سے محض جاہل ہونیکے باوجود ہی وہ اسلام پر اور قرآن شریف پر اعتراض کرتے رہے ہیں؟ اگر محض اسلام کی ابتدائی تاریخ میں جنگوں کے واقع ہونیسے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اسلام نے لوگوں کو مسلمان کرنیکے لیے تلوار اٹھائی۔ تو جسطرح جنگوں کا ہونا ایک موٹی بات ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کئی بار کفار سے صلح کرنا بھی ایک موٹی بات ہے۔ حالانکہ اگر یہ ماناجائے کہ جنگ دین کے پھیلانیکے لیے ہوتے تھے تو صلح ایک ناجایز امر ٹھہرتا ہے۔ اور صلح کرنا ایک بیمعنی بات ہوجاتی ہے۔

ولایت کے مشہور ماہوار رسالہ ریویو آف ریویوز نے بھی اس لیکچر پر نہایت عمدہ ریمارک کیے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ "جنوری کے ریویو آف ریلیجنز میں جو پنجاب سے شایع ہوتا ہے اسلام کے تحمل اور برداشت پر ایک مشہور مضمون نکلا ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک مضمون کا ترجمہ ہے جو آریہ سماج کے انتظام کے ماتحت لاہور کی مذہبی کانفرنس میں پڑھا گیا تھا۔ راقم مضمون بہت سی قرآن شریف کی آیات حوالہ میں پیش کرتا ہے جن کی بابت اس کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ

آیات تمام مسلمانوں پر فرض عین قرار دیتی ہیں کہ "وہ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاویں جن کو دنیا کے کثیر حصہ نے قبول کر لیا ہے قرآن شریف کے مطابق یہ اُن انبیاء علیہم السلام کی صداقت کے لیے کافی ثبوت ہے کہ وہ دنیا کے ایک بڑے حصہ میں قبول کیے گئے ہیں اور کہ تائیدات الٰہیہ ان کو ہر موقع اور محل پر بخشی گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے اعلیٰ اور برتر ہے کہ وہ کروڑہا انسانوں کو ایک شخص کے گرویدہ و پیرو بنا دیوے جس کو مفتری دھوکہ باز اور کذّاب جانتا ہے

مرزا غلام احمد صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ایک بڑا پکّا اور مستحکم اصول ہے یہ فی الحقیقۃ بڑا وسیع اصول ہے کیونکہ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ کوئی افترا کروڑہا مخلوقات کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ یہ تحمل کا بہت ہی وسیع اصل اور قاعدہ ہم اپنے آزاد خیال عیسائی بھائیوں کے سامنے بطور سفارش پیش کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک بالکل نئی بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ مذہب جو اب تک تمام مذہبوں سے زیادہ متعصب اور غیر متحمل خیال کیا گیا تھا اپنے تمام دشمنوں اور مقابل کے لوگوں کے مشن کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہے۔"

نوٹ

یہ چونکہ اگلا نمبر غالباً ایک ضروری مضمون کی وجہ سے بڑا ہوگا اس لئے یہ رسالہ صرف ۳۲ صفحہ کا شائع کیا گیا ہے۔

منیجر